1st semester

second language urdu

غزل کی تعریف

۱. غزل کی تعریف

غزل کے معنی عورت سے باتیں کرنے کے ہیں اور عام طور
پر غزل ایسی محبت کی ترجمان ہے جو مرد کو عورت سے
ہو اور اس میں انسانی جذبات و احساسات بیان کئے جاتے
ہیں لیکن 1857 کے انقلاب کے بعد غزل کا دامن وسیع ہو
گیا اور اس میں ہر طرح کے موضوعات جگہ پانے لگے اور اچھی
غزل وہی کہلانے لگی جس میں سادگی، سچائی اور تاثیر ہو
غزل چونکہ اردو شاعری کی پسندیدہ صنف رہی ہے اس
لیے ہر شاعر اس میں ضرور طبع آزمائی کرتا ہے لیکن میر تقی
میر، غالب، مومن، داغ، حسرت، ذوق، جگر وغیرہ نے اپنی
غزل گوئی سے اردو شاعری کو مالامال کیا ہے۔ غزل میں
چونکہ اخلاقی، تاریخی، سماجی اور سیاسی مضامین بھی باندھے
جانے لگے اس لیے یہ اپنے زمانے کی معاشرت و تہذیب
کی بھی عکاسی کرتی ہے۔ مرد اور عورت کی محبت کے علاوہ
وطن کی محبت، خدا کی محبت، آزادی کی محبت، بھائی بہن
کی محبت کا ذکر آج کل غزل میں ملتا ہے۔ لیکن شاعر علامتیں
وہی عام غزل کی استعمال کرتا ہے۔ جس سے مراد ہیں
اپنا وطن ہے تو کہیں گھر قفس سے مراد قید خانہ یا سی

کے جیسے میں رہنے کی جگہ، اسی طرح گل، آشیانہ، صیاد، سا
قی، رقیب وغیرہ کے لفظی معنی مراد نہیں لیکن شاعر مراد
ی معنی کا سہارا لے کر حیات و کائنات پر رائے زنی
کرتا ہے

* مطلع: غزل کا پہلا شعر ہے جس کے دونوں مصرع
وں میں قافیہ اور ردیف کا استعمال ہم وزن ہوتا ہے نصا
ب میں شامل میر کی غزل کا مطلع پیش خدمت ہے:

"الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا"
"دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا"

=

ظاہری ساخت کے اعتبار سے غزل کے پہلے شعر کے دو مصرے ہم قافیہ ہوتے ہیں اسے مطلع کہا جاتا ہے۔ پہلے مطلع کے بعد آنے والے مطلع کو حسن مطلع کہتے ہیں۔ آخری شعر میں شاعر اپنا تخلص پیش کرتا ہے۔ غزل کے تمام مصرے کسی ایک بحر میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح غزل کے شاعر کو قافیہ و ردیف کی پابندی بھی کرنی ہوتی ہے۔ یوں غزل غیر مردف بھی ہو سکتی ہے لیکن زیادہ تر شعرا نے قافیہ کے ساتھ ساتھ ردیف کی بھی پابندی کی ہے۔ غزل کا ہر شعر ایک مکمل اکائی ہوتا ہے اور کسی ایک مفہوم کا تاثر پیش کرتا ہے۔

غزل کے اولین نقوش ہمیں خسرو کے کلام میں ملتے ہیں گر چہ خسرو کی زبان میں فارسی و ہندی کے اثرات نمایاں ہیں۔ خسرو کے علاوہ قطب شاہ، محمد قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ، ملا وجہی، غواصی، بحری، نصرتی، شاہی اور شوقی وغیرہ نے غزل کے نشو نما میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ گرچہ ان شعرا کا تعلق غزل کے تشکیلی دور سے ہے۔ لیکن اس دور کی غزلوں کے بعض اشعار چونکانے والے ہیں۔ ان اشعار میں کافی ادبی شان اور زبان میں کافی پختگی پائی جاتی ہے۔ اس دور کے ایک اہم شاعر قلی قطب شاہ کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

''چار سو برس پہلے کا کلام اگر آج کل کے عشقیہ شعرا کے سامنے رکھ دیا جائے تو سوائے زبان کے تغیر کے کوئی اور فرق معلوم نہ ہوگا۔ وہی باتیں ہیں وہی مضمون ہیں وہی طرز ادا اور وہی بحریں ہیں'' ان شعرا کی غزلیں گرچہ واضح اردو زبان میں نہیں ہیں۔ پھر بھی ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان شعرا نے بعد میں آنے والے شعرا کے لئے راہ ہموار کی۔

اردو غزل کو سنوارنے اور اسے صحیح سمت دینے میں ولی دکنی کے نمایاں کردار ادا کیا۔ انہوں نے غزل کے مضامین کو وسعت دی اور اس میں نئے انداز پیدا کئے۔ اردو غزل کو نیا آہنگ اور لب ولہجہ عطا کیا۔ تصوف اور روحانیت کے مسائل بڑی کامیابی کے ساتھ اپنی غزل میں پیش کئے۔ ان کے بعض اشعار اتنے صاف اور واضح زبان میں ہیں کہ لگتا ہے کہ بہت بعد کے زمانے میں لکھے گئے۔ ولی کے دور کے دوسرے شعرا میں تاجی، آبرو، یکرنگ اور آرزو قابل ذکر ہیں۔ ان شعرا نے ایہام گوئی اور رعایت لفظی پر زور دیا جس کی وجہ سے ان کی غزلوں میں معنویت اور اثر آفرینی کافی متاثر ہوئی۔ شاعری احساسات و جذبات کی ترجمانی کے بجائے لفظی گورکھ دھندا ہو کر رہ گئی۔ اس ایہام گوئی، تکلف و تصنع کی جگہ اردو غزل میں سادہ گوئی اور انسانی جذبات کی ترجمانی پر زور دینے

کا سہرا مرزا مظہر جان جاناں کے سر جاتا ہے۔ جان جاناں نے اردو شاعری میں فارسی کی نئی اور خوب صورت ترکیبیں داخل کیں اور اردو زبان میں صفائی و شگفتگی پیدا کی۔ ان کے کلام کی لطافت کا اندازہ ان اشعار سے لگایا جا سکتا ہے:

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہائے بس چلتا ہے نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار
گر گل کو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں
بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں
یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا، گل اپنا، باغباں اپنا

اس کے بعد میر، درد اور سودا جیسے صاحب طرز شاعر پیدا ہوئے جنہوں نے غزل کو نیا رنگ و روپ عطا کیا۔ یہ تینوں شاعر ایک ہی زمانے سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کا طرز ایک دوسرے سے جدا ہے۔ میر کی شاعری قلبی واردات و احساسات کی شاعری ہے۔ ان کے یہاں داخلیت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ ان کی شاعرانہ فضا پر غم و یاس کی کہر چھائی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے بعض نقاد انہیں قنوطی قرار دیتے ہیں لیکن میر کا غم ان کا ذاتی غم نہ ہو کر ایک آفاقی غم نظر آتا ہے جس سے ہمیں گھٹن کے بجائے ایک طرح کی دردمندی کا احساس ہوتا ہے۔ سودا یوں تو اپنے قصائد کی وجہ سے مشہور ہیں لیکن ان کی غزلوں کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ سودا نے اردو غزل کو داخلیت سے خارجیت کی طرف موڑا۔ انہوں نے دل کی دنیا سے کہیں زیادہ باہر کی دنیا پر توجہ دی۔ ان کی غزلیں اپنے نشاط آمیز لب و لہجہ اور سرمستی و شگفتگی کی وجہ سے کافی مشہور ہیں۔ درد کی غزلوں کا لب و لہجہ صوفیانہ ہے۔ ان کی غزلوں میں پاکیزگیٔ روح اور عشق کی جلوہ گری ہے۔ زبان بہت صاف اور کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی ہے۔ درد کے فن کی پاکیزگی اور اثر آفرینی مسلم ہے۔ ان کے علاوہ اس دور میں انعام اللہ خان یقین، میر اثر، قائم، میر سوز نے بھی اپنی غزلوں کا جادو جگایا ہے۔ ان کی غزلوں میں دردمندی، سوز و گداز دبستان دہلی کے ساتھ مخصوص تمام خصوصیات نظر آتی ہیں۔

دہلوی شعرا کی غزلوں میں جہاں ہمیں داخلیت، سوز و گداز اور دردمندی نظر آتی ہے وہیں لکھنوی شعرا

کی غزلوں میں شوخی، شگفتگی اور سرمستی کا احساس ہوتا ہے۔ اہل لکھنؤ کے عیش پسند ماحول کی وجہ سے تھا۔ دولت کی فراوانی اور پرسکون ماحول نے ان کے فن پر غم کا سایہ پڑنے نہ دیا۔ ان لکھنوی شعرا نے انشاء، جرأت، مصحفی، ناسخ، اور آتش صف اول میں نظر آتے ہیں۔ ان شعرا نے معنی آفرینی اور جذبات نگاری کے مقابلے میں لفظی زیبائش و آرائش پر زیادہ زور دیا جس کی وجہ سے اردو غزل میں صنعت گری، تکلف اور آورد کا اضافہ ہوا۔ معنوی اعتبار سے غزل سطحی لذت کشی اور جنسی جذبات کی عکاسی ہو کر رہ گئی۔ لیکن پوری لکھنوی شاعری اس انداز کی نہیں۔ آتش، مصحفی اور انشاء کے یہاں ہمیں ایسے بہت سے اشعار ملتے ہیں جو لکھنوی شاعری کی روایتی سطحیت اور جنسی زندگی سے پاک ہیں۔ ان میں اثر آفرینی اور ایک طرح کی فنی لذت کا احساس ہوتا ہے۔ خصوصاً مصحفی اور آتش کی شاعری میں اس عہد کی تاریک شاعرانہ فضا میں اپنی فکری و فنی جگمگاہٹ کی وجہ سے نمایاں ہے۔ ناسخ کی غزلیں شوکت الفاظ اور نازک خیالی کی وجہ سے یقیناً بلند ہیں لیکن اثر آفرینی سے محروم ہیں۔ ان شعرا کے علاوہ امانت، رند اور رشک کی غزلیں بھی قابل قدر ہیں۔

میر اور سودا کے بعد دہلی میں غالب، ذوق اور مومن نے فن غزل گوئی کو وقار بخشا۔ غالب نے اردو غزل کو فکر و فن دونوں اعتبار سے متاثر کیا۔ غالب نے غزل میں فکری عنصر کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ سمویا ہے۔ غالب نے فنی اعتبار سے بھی اردو غزل کو وسعت بخشی۔ انہوں نے اظہار کے نئے نئے وسیلے تلاش کئے۔ اور زبان میں ایک اجتہادی شان پیدا کی۔ اپنے پیچیدہ اور تہہ در تہہ جذبات کے اظہار کے لئے نئی نئی علامتیں اور جاندار تشبیہات و استعارات تخلیق کئے۔ اس طرح غالب نے اردو غزل کو ایک نئی جہات سے روشناس کرایا۔

ذوق اپنے قصائد کی وجہ سے مشہور ہیں۔ لیکن ان کی غزلیں بھی اپنے حسن زبان و بیان، سادگی و صفائی، بے ساختگی و بے تکلفی اور شیرینی و حلاوت کی وجہ سے کم اہم نہیں۔ ذوق کی غزلیں اس لحاظ سے زیادہ اہم ہیں کہ ان سے اردو زبان کو ایک صاف ستھرا اور شگفتہ وشستہ لب و لہجہ نصیب ہوا۔ مومن نے اردو غزل کو نیا انداز بخشا۔ ان کی غزلوں میں حسن و عشق کا ایک نگار خانہ آباد نظر آتا ہے۔ ان کی غزلیں اپنی شگفتگی، رنگینی، نازک خیالی، طنز اور شوخی ادا کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ان شعرا کے علاوہ نصیر دہلوی، ظفر، آزردہ، شیفتہ، داغ، امیر مینائی وغیرہ نے بھی غزل کو آگے بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ داغ اور امیر مینائی نے بالخصوص اردو غزل کو سادہ زبان، ترنم میں ڈوبا ہوا لہجہ، اور لطیف جھنکار پیدا کرنے والے آہنگ عطا کیا۔ ان کی مقبولیت ان کی اسی لطیف

سے پہلے آتا ہے ... قافیہ ہوتا ہے قافیہ کی نشاندہی کے لئے میر کی غزل کا مصرعہ دیکھیں جس میں قافیہ "نہیں" استعمال ہوا ہے۔ مجھے تلاش پہ میرا نشان نہیں ملتا۔ قافیہ نہیں۔

۶) ردیف: شعر میں قافیہ کے بعد آنے والے لفظ کو ردیف کہتے ہیں یہ غزل کے پہلے شعر میں جس کو ہم مطلع کہتے ہیں دونوں مصرعوں میں باقی رہتا ہے۔ غزل کے ہر شعر کے دوسرے مصرعے میں قافیہ کے بعد آتا رہتا ہے۔ مثال کے لئے نصاب میں شامل راہی فدائی کی غزل کی ردیف دیکھیں: علم کافی نہیں عالم کے لئے۔ اس میں "کے لئے" ردیف ہے۔

۷) مقطع: غزل کے آخری شعر کو مقطع کہتے ہیں جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔ مثال کے لئے نصاب میں شامل غالب کی غزل کا مقطع:

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

۲) غزل کے متعلق لکھیے؟

غزل اردو شاعری کی ہر دل عزیز صنف سخن ہے ہر زمانے میں شعرا نے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے اردو شاعری کا بہت بڑا سرمایہ غزل کی شکل میں موجود ہے۔ غزل کے معنی "سخن با یار گفتن" کے ہیں۔ اس طرح عشق و محبت غزل کے خمیر میں داخل ہے۔ لیکن غزل صرف محبت کے موضوعات تک محدود نہیں۔ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں سماجی و سیاسی مسائل فلسفہ و تصوف اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی موجود ہے۔